ڈاکٹر نسرین اختر

اورنگ زیب عالم گیر، اقبال کی نظر میں

سترھویں صدی کا ایک مردِ مومن جس کی ذات میں علامہ اقبال کو تمام انسانی امتیازی خصوصیات مجتمع ملتی ہیں، اورنگ زیب عالم گیر ہے۔ علامہ اقبال ایسے ہی مردِ کامل کے مداح تھے اور مسلمانوں کو اسی سانچے میں ڈھلنے کی تبلیغ اور تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن — گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت — یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

گویا اقبال کے نزدیک مکمل انسان وہ ہے جس میں شخصیت، قوت و صولت، پاکیزگی و طہارت اور رحم و کرم کی خصوصیات پائی جائیں۔ ایک دوسری جگہ انہی باتوں کو یوں بیان کرتے ہیں:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم — رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش — خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن
جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں — جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

اورنگ زیب عالم گیر علامہ اقبال کی نظر میں وہ مردِ مومن ہے جس کے متعلق علامہ نے کہا۔

"اگر عالم گیر دارا کے معاملے میں بھی "با دشمناں مدارا" پر عمل کرتا تو ہندوستان میں شریعتِ اسلامیہ کی حکومت کبھی قائم نہ ہوتی۔"[۱]

دارا شکوہ شاہ جہان اور ممتاز محل کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ وہ مارچ ۱۶۱۵ء میں اجمیر کے قریب پیدا ہوا۔ شاہ جہان نے دارا شکوہ کو ولی عہدِ سلطنت مقرر کر دیا تھا چونکہ اس میں سیاسی بصیرت اور عسکری مہارت کا فقدان تھا، نیز وہ ہندو دھرم کے مطالعے کے نتیجے میں ویدانت سے متاثر تھا اور ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں کے میل جول کی وجہ سے ہندوؤں کی طرف مائل تھا، یہ خطرہ بھی واضح

۱؎ مقالاتِ اقبال، ص ۱۷۰۔ مرتبہ سید عبد الواحد معینی

تھا کہ اس کے حکومت سنبھالتے ہی دین کی نئی نئی تاویلیں ہوں گی، شریعت اسلام میں رخنے پڑیں گے اور مسلمانوں کے اعتقادات میں فرق آجائے گا[۵۲] اسلام کے متعلق ان دورس اندیشوں کی بنا پر اورنگ زیب اور دارا کے درمیان جنگ شروع ہوئی۔ اورنگ زیب صرف دین اسلام کے تحفظ کا خواہاں تھا۔ داراشکوہ نے حصول تخت کے لیے دھرمٹ، سامو گڑھ اور دیولرائی کے مقام پر پے درپے لڑائیاں لڑیں اور شکست پر شکست کھائی۔ پھر ایران کی صفوی حکومت کے شاہ عباس دوم سے مدد حاصل کرنے کی غرض سے قندھار کے راستے ایران جارہا تھا کہ راستے میں ڈھاڈر کے افغان سردار ملک جیون نے اسے گرفتار کرکے دہلی بھجوایا جہاں کفر والحاد اور بے دینی پھیلانے کے الزام میں اس پر مقدمہ چلاکر اُسے قتل کی سزا دی گئی۔ علما کے متفقہ فیصلے کی بنا پر اسے ۳۰ اگست ۱۶۵۹ کو قتل کیا گیا۔

دارا ہندو ویدانت اور اسلامی تصوف میں کوئی فرق نہیں سمجھتا تھا، اس کی کوشش یہ تھی کہ ہندوؤں کے اعتقادات سے مسلمانوں کو روشناس کرائے[۵۳] علامہ اقبال نے دارا کے الحاد کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

تخم الحادی کہ اکبر پرورید ۔۔۔ باز اندر فطرت دارا دمید
شمع دل در سینہ ہا روشن نبود ۔۔۔ ملت ما از فساد ایمن نبود
حق گزید از ہند عالمگیر را ۔۔۔ آں فقر صاحب شمشیر را

دارا کی کوشش یہ تھی کہ اکبر کے ان ملحدانہ تصورات کو پھر سے زندہ کیا جائے جو جہاں گیر اور شاہ جہان کی مساعی سے ختم ہو چکے تھے۔ مگر خدا نے اپنے دین کو محفوظ و مامون کرنے کے لیے مرد مومن اورنگ زیب عالم گیر کو پیدا کیا جو صاحب فقر بھی تھا اور صاحب شمشیر بھی۔ اس نے اسلامی اقدار کو فروغ دینے کے لیے اپنی زندگی وقف کی اور کٹھن حالات میں بھی عزم و ہمت کے دامن کو تھامے رکھا۔ اس کا نصب العین ترویج شریعت اور دین محمدی کا استحکام تھا۔ وہ ملک کے باشندوں کو وہی حقوق دینا چاہتا تھا جو اسلامی قانون کے تحت کسی ملک کی رعایا کو ملتے ہیں۔ عام مسلمانوں کے اخلاق و کردار کی درستی اور ان کو مکروہات و ممنوعات شرعی سے باز رکھنے کا اہتمام کیا۔ سیاسی استحکام کے

---

۵۲ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۹، ص ۱۵۳، مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۔ ۵۳ ایضاً، ص ۱۵۴

بعد ملک میں اسلامی شریعت کے مطابق احتساب کے محکمے قائم کیے، منصب داروں کو حکم تھا کہ کوئی فیصلہ شریعت کے خلاف نہ کیا جائے۔ اورنگ زیب نے یہ محکمہ قائم کر کے اصلاح کا جو کارنامہ اس وسیع و عریض سلطنت میں سر انجام دیا وہ تاریخ اسلام کا ایک بنیادی باب ہے۔

اورنگ زیب اگرچہ ایک عظیم سلطنت کا شہنشاہ تھا مگر اس میں بوریانشین درویش کے اوصاف بھی تھے۔ وہ ایک طرف بہادر اور جری سپاہی تھا تو دوسری طرف ایک عالم باعمل تھا۔ وہ اسلامی سلطنت کو وسعت دینے کی جد و جہد کے ساتھ ساتھ اسلامی قوانین کے نفاذ سے ملک کو خالص اسلامی حکومت کے سانچے میں ڈھالنے کی دن رات کوشش کرتا رہا۔ وہ شاہی کر و فر کے ہوتے ہوئے بھی درویشانہ زندگی بسر کرتا رہا۔ اس کی ذات میں وہ تمام خوبیاں جمع تھیں جو ایک مرد مومن میں ہوتی ہیں۔ اقبال نے جس خودی کی تعلیم دی ہے اورنگ زیب عالم گیر اس خودی کا مکمل اور مجسم نمونہ تھا۔ ۱۹۱۰ میں علامہ نے اپنے خیالات کو ایک بیاض میں قلم بند کرنا شروع کیا تو اورنگ زیب عالم گیر کے متعلق ایک طویل شذرہ لکھا۔ وہ لکھتے ہیں:

اورنگ زیب کی سیاسی فطانت بغایت ہمہ گیر تھی۔ اس ملک کی مختلف قومیتوں کو ایک عالم گیر سلطنت کے تصور میں شامل کر لینا گویا اس کی زندگی کا واحد مقصد تھا۔ لیکن اس سامراجی وحدت کے حصول میں اس نے غلطی سے اپنے غیر متزلزل عزم و ہمت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا، جس کے پس پشت سیاسی تجربہ ناکافی تھا۔ اپنی متصورہ سلطنت کے سیاسی ارتقا میں وقت کے پہلو کو نظر انداز کر کے اس نے ہندوستان کی منتشر اور بے ربط سیاسی وحدتوں کو اپنی ہی زندگی میں مجتمع کر دکھانے کی توقع پر ایک لامتناہی مہم شروع کر دی۔ جس طرح سکندر پورے ایشیا پر یونان کو مسلط کرنے میں ناکام رہا، اسی طرح وہ بھی ہندوستان بھر کو پرچم اسلام کے نیچے نہ لا سکا۔ انگریز، قدیم اقوام کے سیاسی تجربات سے پوری طرح مسلح ہو کر آیا تھا۔ اس کا صبر و تحمل اور کچھوے کا سا استقلال وہاں کامیاب رہا جہاں اورنگ زیب کی جلد باز فطانت ٹھوکر کھا کر رہ گئی تھی۔ سیاسی فتح لازماً اتحاد کے ہم معنی نہیں، علاوہ ازیں سابقہ مسلم خاندانوں کی تاریخ نے اورنگ زیب پر واضح کر دیا تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا اقتدار اس ملک کے باشندوں کی خیر خواہی پر اتنا منحصر نہیں، جتنا کہ خود حکمران قوم کی اپنی طاقت پر مبنی ہے، لیکن اپنے گہرے سیاسی شعور کے باوجود وہ اپنے اجداد کے کرتوتوں کے نتائج کو نہ مٹا سکا۔ سیواجی اورنگ زیب کے عہد کی پیداوار

نہیں تھا۔ اس کا وجود ان معاشرتی اور سیاسی عوامل کا رہین منت ہے جو اکبر کی حکمت عملی سے ظہور میں آئے۔ اورنگ زیب کا سیاسی فہم و ادراک صائب ہونے کے باوجود بعد از وقت ثابت ہوا، تاہم سیاسی بصیرت کی اہمیت کے پیش نظر اسے ہندوستان میں مسلم قومیت کا بانی قرار دینا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ آئندہ نسلیں میرے اس قول کی صداقت کو تسلیم کریں گی۔ انگریز حکمرانوں میں سے سب سے پہلے لارڈ کرزن نے ہندوستان میں انگلستان کے اقتدار کے بارے میں حقیقت شناسی کا ثبوت دیا۔ ہندو قومیت بے جا طور پر اس کی پالیسی سے منسوب کی جاتی ہے، زمانہ یقیناً یہ بتا دے گا کہ ہندو قومیت کا وجود لارڈ رپن کی پالیسی کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا یہ بات واضح ہو گئی کہ سیاسی مقصد اور سیاسی ادراک میں مغل فرماں روا اور انگریز حکمران دونوں متفق ہیں۔ مجھے اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ انگریز مورخ کیوں اورنگ زیب کو مطعون کرتا ہے جس کے سامراجی نصب العین کی پیروی خود اس کے اہل ملک کرتے رہے ہیں اور جس کے سیاسی ادراک کی وہ توثیق کر چکے ہیں۔ اورنگ زیب کا سیاسی طریق کار یقیناً بھدا تھا، لیکن جس عہد سے اس کی زندگی اور اس کے کارنامے وابستہ ہیں، اسی کے نقطہ نظر سے اس طریق کار کی اخلاقی حیثیت کو پرکھنا چاہیے۔"[۵۴]

علامہ اقبال کو اورنگ زیب کے مرقد پر حاضری کا بہت شوق تھا، چنانچہ انھوں نے ۳۰ مارچ ۱۹۱۰ کو اپنے ایک خط میں عطیہ فیضی کو لکھا۔ "حیدر آباد سے واپسی پر مجھے اورنگ زیب کے مزار کی زیارت بھی کرنی تھی جس پر میں ایک انتہائی وجد انگیز اور ولولہ خیز نظم لکھنے والا ہوں ــــ ایسی کہ اردو خوانوں کی نظر سے آج تک نہ گزری ہوگی"[۵۵] ــــ اسی طرح ۷ اپریل ۱۹۱۰ کو ایک دوسرے خط میں عطیہ بیگم کو لکھا ــــ "اغلباً اورنگ زیب پر میری نظم جس کے مزار کی میں نے حال ہی میں زیارت کی ہے، میری آخری نگارش ہوگی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ نظم لکھنا میرا فرض ہے اور مجھے امید ہے ایک دفعہ مکمل ہونے کے بعد یہ آئندہ ایک عرصہ تک زندہ رہے گی"[۵۶] علامہ اقبال جو اپنے مرد مومن کو شاندار اور لامثال انداز میں خراج عقیدت پیش کرنا چاہتے تھے مگر قدرت نے ان کا یہ ارادہ تو پورا نہ کیا البتہ رموز بیخودی میں وہ اس فقیر منش شہنشاہ کو کچھ اس طرح خراج عقیدت

---

۵۴ شذرات فکر اقبال ص ۹۷ تا ۱۰۰ مرتبہ جاوید اقبال۔ ترجمہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، شائع کردہ مجلس ترقی ادب۔ لاہور

۵۵ اقبال ــــ عطیہ بیگم از عبدالعزیز خالد، ص ۶۳ ۵۶ ایضاً، ص ۷۱

پیش کر سکے :

شاہ عالمگیر گردون آستان — اعتبار دودمان گورگان ۱
پایۂ اسلامیان برتر ازو — احترام شرع پیغمبر ازو
درمیان کارزار کفر و دین — ترکش ما را خدنگ آخرین
تخم الحادی کہ اکبر پرورید — باز اندر فطرت دارا دمید
شمع دل در سینہ ہا روشن نبود — ملت ما از فساد ایمن نبود
حق گزید از ہند عالمگیر را — آن فقیر صاحب شمشیر را
از پیٔ احیای دین مامور کرد — بہر تجدید یقین مامور کرد
برق تیغش خرمن الحاد سوخت — شمع دین در محفل ما برفروخت
کور ذوقان داستانہا ساختند — وسعت ادراک او نشناختند
شعلۂ توحید را پروانہ بود — چون براہیم اندرین بتخانہ بود
در صف شاہنشہان یکتاستی — فقر او از ترکشش پیداستی
روزی آن زیبندۂ تاج و سریر — آن سپہدار و شہنشاہ و فقیر
صبحگاہان شد بہ سیر بیشۂ — با پرستاری وفا اندیشۂ
سرخوش از کیفیت باد سحر — طایران تسبیح خوان بر ہر شجر
شاہ رمز آگاہ شد محو نماز — خیمہ بر زد در حقیقت از مجاز
شیر ببر آمد پدید از طرف دشت — از خروش او فلک لرزندہ گشت
بوی انسان دادش از انسان خبر — پنجۂ عالمگیر را زد بر کمر
دست شہ نادیدہ خنجر برکشید — شرزہ شیری را شکم از ہم درید
دل بخود راہی نداد اندیشہ را — شیر قالین کرد شیر بیشہ را
باز سوی حق رمید آن ناصبور — بود معراجش نماز با حضور
این چنین دل خود نما و خود شکن — دارد اندر سینۂ مومن وطن
بندۂ حق پیش مولا لاستی — پیش باطل از نعم برجاستی

تو ہم ای نادان دلی آور بدست شاہدی را محملی آور بدست
خویش را در باز و خود را باز گیر دام گسترا از نیاز و ناز گیر
عشق را آتش زن اندیشہ کن روبۂ حق باش و شیری پیشہ کن

خوف حق عنوان ایمان است و بس
خوف غیر از شرک پنہان است و بس[۵۷]

اورنگ زیب عالم گیر کے متعلق اقبال کے یہ چھبیس[۲۶] اشعار اگرچہ تعداد میں کم ہیں مگر درحقیقت ان میں پوری تاریخ قلم بند ہے۔ ان اشعار کا ایک ایک لفظ اورنگ زیب کے مقام کی نشان دہی کرتا ہے۔ ان اشعار کے پہلے بند میں علامہ نے اورنگ زیب کی جامع شخصیت اور اس کے بندۂ مومن ہونے پر جامع اور بصیرت افروز تبصرہ کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اورنگ زیب نے برصغیر میں اسلامی قدروں پر مشتمل اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈال کر خلافتِ راشدہ کے بعد شریعتِ محمدی کا احترام دوبارہ قائم کیا۔ علامہ نے اس بند میں یہ واضح کیا کہ اس برصغیر میں جہاں دین اور کفر کے درمیان صدیوں تک جنگ جاری رہی، عالم گیر کا وجود درحقیقت اسلام ہی کے ترکش کا ایک تیر تھا۔

آگے چل کر اقبال فرماتے ہیں کہ اکبر نے اس برصغیر میں کفر و ارتداد کا بیج بویا، دارا جیسے گمراہ نے دوبارہ اس بیج کی آب یاری کی کوشش کی۔ ان ناپاک اور مکروہ کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ ملتِ اسلامیہ کے لیے اس برصغیر میں عظیم خطرات پیدا ہو گئے تھے۔ قدرت نے بروقت ان خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے اورنگ زیب جیسے مردِ مومن کو پیدا کیا جس کی ذات میں خدا نے فقر اور بادشاہی کے دونوں جوہر مجتمع کر دیے تھے۔ اگر یہ مردِ مجاہد دارا شکوہ کے منصوبوں کو خاک میں نہ ملاتا تو اس برصغیر میں اسلام کے اثر و نفوذ کا خاتمہ ہو گیا ہوتا اور دین کا چراغ کفر و الحاد کے تودوں کے نیچے دب کر اس برصغیر سے ہمیشہ کے لیے بجھ گیا ہوتا۔

علامہ فرماتے ہیں کہ خدا نے اس مردِ مومن کو دینِ اسلام کے احیا اور تجدیدِ یقین کے لیے برصغیر میں پیدا کیا اور وہ زندگی کے آخری لمحے تک اس پاکیزہ نصب العین کے حصول کے لیے جدوجہد کرتا

---

۵۷ کلیاتِ اقبال، ص ۹۸، ۹۹ - رموزِ بیخودی

رہا۔ اس درویش صفت بادشاہ کا مقصدِ حیات جہاں داری نہ تھا بلکہ خدمتِ خلق تھا۔ علامہ ہند کے خاتمے پہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کے بادشاہوں میں عالم گیر کا کوئی ثانی نہیں۔ اس مردِ مجاہد نے اسلام کی جتنی خدمت کی ہے مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں ہندوستان میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ جس طرح اس مردِ مومن کی زندگی ایک لاثانی اور مثالی ہے اسی طرح اس کی تربت سے بھی ایک شانِ فقر ظاہر ہوتی ہے۔

علامہ نے اورنگ زیب کے فقر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی اسلامی سیرت کے روشن پہلوؤں کے بارے میں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دن نمازِ فجر سے پہلے عالم گیر جنگل کی طرف سیر کو گیا۔ سیر کے دوران جب نماز کا وقت آگیا تو اس مردِ مسلمان نے جنگل ہی میں نماز کی نیت باندھ لی۔ اتفاقاً ایک طرف سے ایک جنگلی شیرِ ببر نکل آیا جس نے عالم گیر پر حملہ کر دیا۔ شیر کے حملے سے عالم گیر حواس باختہ نہ ہوا بلکہ بڑے اطمینان کے ساتھ اس نے خنجر نکال کر شیر کا پیٹ چاک کر دیا اور پھر نماز میں مشغول ہو گیا۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد علامہ اپنے لطیف پیرائے میں مومن کا تصورِ حیات بیان کرتے ہیں جس کی بنیاد فلسفۂ خودی پر ہے:

خویش را در باز و خود را باز گیر دام گستر از نیاز و ناز گیر

علامہ نے اس قصے کے خاتمے پہ ایمان کی تعریف یوں کی ہے:

خوف حق عنوان ایمان است و بس خوف غیر از شرک پنہان است و بس

پیام مشرق میں ایک نظم عالم گیر کے عنوان سے ہے جس میں عالم گیر کے اس خط کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بیٹے ابو المعظم شمس الدین محمد کو لکھا تھا۔ عالم گیر کو جب معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا اس کی موت کی دعا کر رہا ہے تو اس نے شاہ زادے کو لکھا کہ اے نادان یہ تیرا خیال غلط ہے کہ خدا تیری آرزو پوری کرنے کے لیے مجھے قبل از وقت موت دے دے گا کیونکہ دنیا کا ہر ایک کام صرف خدا کی مرضی کے تحت ہوتا ہے۔ اس نظم کے اشعار یہ ہیں:

ندانی کہ یزدان دیرینہ بود بسے دید و سنجید و بست و کشود
ز ما سینۂ چاکان این تیرہ خاک شنید است صد نالہ دردناک
بسے ہمچو شبیر در خون نشست نہ یک نالہ از سینۂ او گسست

نہ از گریہ پیرِ کنعاں تپید نہ از دردِ ایوب آہے کشید
مپندار آں کہنہ نخچیر گیر
بدامِ دعای تو گردد اسیر ۵۸

علامہ نے اورنگ زیب کی زندگی اور کارناموں کو برصغیر میں اسلامی قومیت کی نشوونما کا نقطۂ آغاز قرار دیا ہے۔ انگریز اور ہندو مصنفین نے عالم گیر کے متعلق ہمیشہ غلط بیانی سے کام لیا اور اس کو سفاک، قاتل اور ظالم قرار دینے کی بھرپور کوشش کی مگر علامہ کے نزدیک اورنگ زیب نے ملک گیری کی ہوس کے لیے تلوار نہیں اٹھائی بلکہ وہ حق و انصاف کی سربلندی کے لیے زندگی کے آخری لمحات تک مصروفِ جد و جہد رہا۔ ملک گیری کی ہوس رکھنے والوں کے لیے تو علامہ اقبال کا یہ نظریہ ہے کہ:

ہر کہ خنجر بہر غیر اللہ کشید تیغ او در سینۂ او آرمید

برعکس اس کے اقبال عالم گیر کے متعلق فرماتے ہیں:

عالم گیر جس کی زندگی اور کارنامے میری دانست میں ہندوستان کی اسلامی قومیت کی نشوونما کا نقطۂ آغاز ہیں، اسلوب ثالث کا چہرہ کشا ہے، ان لوگوں کے نزدیک جنھوں نے عالم گیر کے حالات تاریخ ہند کے مغربی شارحین کی زبانی سنے ہیں، عالم گیر کا نام سفاکی و قساوت، جبر و استبداد اور مکاری اور غداری اور پولیٹکل سازشوں اور منصوبوں کے ساتھ وابستہ ہے، خلط مبحث کا خوف مانع ہے ورنہ میں متعاصرانہ تاریخ کے واقعات کی صحیح تعبیر و تفسیر سے ثابت کرتا کہ عالم گیر کی پولیٹکل زندگی کی وجوہِ تحریک سراسر جائز اور حق بجانب تھیں۔ اس کے حالاتِ زندگی اور اس کے عہد کے واقعات کا بنظرِ انتقاد مطالعہ کرنے کے بعد مجھے یقین واثق ہو گیا ہے کہ جو الزامات اس پر لگائے جاتے ہیں وہ واقعاتِ متعاصرہ کی غلط تعبیر اور ان تمدنی و سیاسی قوتوں کی غلط فہمی پر مبنی ہیں جو ان دنوں سلطنت اسلام کے طول و عرض میں عمل کر رہی تھیں۔ میری رائے میں قومی سیرت کا وہ اسلوب جس کا سایہ عالم گیر کی ذات نے ڈالا ہے ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ ہے اور ہماری تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اس نمونے کو ترقی دی جائے اور مسلمان ہر وقت اسے پیشِ نظر رکھیں۔ ۵۹

---

۵۸ کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۳۰۳ مطبوعہ شیخ غلام علی فروری ۱۹۷۳۔
۵۹ مقالاتِ اقبال، ص ۱۲۸ مرتبہ سید عبد الواحد معینی۔